© rasailojaraid.com

باب (۱۱)

اِسراء و معراج

(۳)

حضورؐ کو پنج وقتہ نماز کی تعلیم جس رات معراج ہوئی اُس کے بعد دو دن تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام ہر نماز کے وقت حضورؐ کے پاس یہ بتانے کے لیے آتے رہے کہ جو پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں، ان کو ادا کرنے کے اوقات کیا ہیں۔ انہوں نے ہر نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امامت میں پہلے دن اوّل وقت پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت، پھر کہا کہ ہر نماز کا وقت ان دونوں اوقات کے درمیان ہے۔ یہ روایت امام احمدؒ، نَسائی، ترمِذی، ابن حِبّان اور حاکم نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے نقل کی ہے اور امام بخاری نے اسے اوقاتِ نماز کے معاملہ میں صحیح ترین چیز قرار دیا ہے۔ اِسی مضمون کی روایت تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ امام احمدؒ، ترمذی، ابوداؤد، ابن خُزَیمہ، دار قُطنی، حاکم اور عبدالرزاق نے حضرت عبداللہؓ بن عباس سے نقل کی ہے اور اس کو ابن عبدالبرؒ اور قاضی ابوبکر بن العربی نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام زُہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے جب عُروہ بن زُبیر نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریلؑ نے اپنی امامت میں نماز پڑھائی، تو انہوں نے متعجب ہو کر کہا، عروہ، سوچو تم کیا کہہ رہے ہو۔ یعنی حضورؐ کی امامت جبریلؑ نے کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے بشیر بن ابی مسعود سے سنا، اور انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابومسعود انصاری سے سُنا، اور انہوں نے کہا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جبریلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے میری امامت کی، اور میں نے ان کے ساتھ پانچوں وقتوں کی نماز پڑھی (مؤطا، بخاری، مسلم، عبدالرزاق، طَبرانی)۔

معراج کا پیغام معراج کے اِس سفر سے واپس آکر جو پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا وہ قرآن مجید کی سترھویں سورۃ ــــ سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۲ تا ۳۹) میں لفظ بلفظ محفوظ ہے۔ اس کو دیکھیے اور اُس کے اِس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر دیکھیے کہ یہ ہدایات ہجرت سے

© rasailojaraid.com

ایک سال پہلے دی گئی تھیں۔ آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کے اصولوں پر ایک نئی ریاست کا سنگِ بنیاد رکھنے سے پہلے وہ ہدایات دی جا رہی ہیں جن پر نبیؐ اور اصحابِ نبیؐ کو آگے کام کرنا تھا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت اس پیغام میں معراج کا ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت دلائی گئی ہے۔ مصریوں کی غلامی سے نکل کر بنی اسرائیل نے جب آزادانہ زندگی شروع کی تھی تو خداوندِ عالم نے اُن کی رہنمائی کے لیے کتاب عطا فرمائی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ میرے سوا اب اپنے معاملات میں کسی اور کی ہدایت پر اعتماد نہ کرنا۔ مگر بنی اسرائیل نے خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کیا اور وہ زمین میں مصلح بننے کے بجائے مفسد و سرکش بن کر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ایک مرتبہ ان کو بابل والوں سے پامال کرایا، اور دوسری مرتبہ رومیوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ اس سبق آموز تاریخ کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ صرف قرآن ہی وہ چیز ہے جو تمھیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتائے گی، اس کی پیروی میں کام کرو گے تو تمھارے لیے بڑے انعام کی بشارت ہے۔

ہر شخص ذمہ دار ہے دوسری اہم حقیقت جس کی طرف توجہ دلائی گئی وہ یہ ہے کہ ہر انسان خود اپنی ایک مستقل اخلاقی ذمّہ داری رکھتا ہے۔ اُس کا اپنا عمل اُس کے حق میں فیصلہ کن ہے۔ سیدھا چلے گا تو آپ اپنا بھلا کرے گا۔ غلط راہ پر چلے گا تو خود ہی نقصان اٹھائے گا۔ اس شخصی ذمہ داری میں کوئی کسی کا شریک نہیں ہے اور نہ کسی کا بار کسی دوسرے پر پڑ سکتا ہے۔ لہٰذا ایک صالح معاشرے کے ہر ہر فرد کو اپنی ذاتی ذمّہ داری پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ دوسرے جو کچھ بھی کر رہے ہوں، اُسے پہلی فکر یہ ہونی چاہیے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے۔

بڑے لوگوں کا بگاڑ تیسری بات جس پر متنبہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ ایک معاشرے کو آخرکار جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اُس کے بڑے لوگوں کا بگاڑ ہے۔ جب کسی قوم کی شامت آنے کو ہوتی ہے تو اُس کے خوش حال اور صاحبِ اقتدار لوگ فسق و فجور پر اُتر آتے ہیں، ظلم و ستم اور بدکاریاں اور شرارتیں کرنے لگتے ہیں۔ آخر یہی فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے۔ لہٰذا جو معاشرہ آپ اپنا دشمن نہ ہو اُسے فکر رکھنی چاہیے کہ اس کے ہاں سیاسی اقتدار کی باگیں اور معاشی دولت کی کنجیاں کم ظرف اور بداخلاق لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائیں۔

دنیا کے سامنے آخرت کی اہمیت پھر مسلمانوں کو وہ بات یاد دلائی گئی جو قرآن میں بار بار دہرائی جاتی رہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اگر تمہارے پیشِ نظر صرف یہی دُنیا اور اس کی کامیابیاں اور خوشحالیاں ہوں تو یہ سب کچھ تمہیں مل سکتا ہے، مگر اس کا آخری انجام بہت بُرا ہے۔ مستقل اور پائدار کامیابی، جو اِس زندگی سے لے کر دوسری زندگی تک کہیں نامرادی سے داغدار نہیں ہونے پاتی، تمہیں صرف اُسی صورت میں مل سکتی ہے جبکہ تم اپنی کوششوں میں آخرت اور اُس کی باز پُرس کو پیشِ نظر رکھو۔ دنیا پرست کی خوشحالی بظاہر تعمیر کی شان رکھتی ہے' لیکن اِس تعمیر میں ایک بہت بڑی خرابی کی صورت بھی مُضمر ہے۔ وہ اخلاق کی اُس فضیلت سے محروم رہتا ہے جو صرف آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھنے ہی سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ یہ فرق تم دنیا ہی میں دونوں طرح کے آدمیوں کے درمیان دیکھ سکتے ہو۔ یہی فرق بعد کی منازلِ حیات میں اور زیادہ نمایاں ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک کی زندگی سراسر ناکامی اور دوسرے کی زندگی سراسر کامیابی بن کر رہے گی۔

اسلامی تمدن کے اساسی اصول

ان تمہیدی نصیحتوں کے بعد وہ بڑے بڑے اصول بیان کیے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی ریاست اور معاشرے کی تعمیر ہونی تھی۔ یہ چودہ ۱۴ اُصول ہیں، اور ہم انہیں اُسی ترتیب سے پیش کرتے ہیں جس طرح وہ معراج کے اِس پیغام میں بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ خدائے واحد کے سوا کسی کی خداوندی نہ مانی جائے۔ صرف وہی تمہارا معبود ہو، اُسی کی تم بندگی و اطاعت کرو، اور اسی کے حکم کی پیروی تمہارا شعار رہے۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور کا اقتدارِ اعلیٰ تم نے تسلیم کیا، خواہ وہ کوئی غیر ہو یا تمہارا اپنا نفس، تو آخرکار تم قابلِ مذمت بن کر رہو گے اور اُن برکتوں سے محروم ہو جاؤ گے جو صرف خدا کی تائید سے ہی حاصل ہوا کرتی ہیں[1]۔

۲۔ انسانی حقوق میں سب سے اہم اور مُقدّم حق والدین کا ہے۔ اولاد کو والدین کا مطیع، خدمت گزار اور ادب شناس ہونا چاہیے۔ معاشرے کا اجتماعی اخلاق ایسا ہونا چاہیے جس میں اولاد والدین سے بے نیاز اور سرکش نہ ہو بلکہ اُن سے نیک سلوک کرے، ان کا احترام ملحوظ رکھے اور بڑھاپے میں اُن کی

[1] یہ صرف ایک مذہبی عقیدہ ہی نہ تھا بلکہ اُس سیاسی نظام کا، جسے بعد میں مدینے پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا، اوّلین بنیادی اصول بھی تھا۔ اُس کی پوری عمارت اِسی نظریے پر اُٹھائی گئی تھی کہ خداوندِ عالم ہی ملک کا مالک اور بادشاہ ہے اور خدا کی شریعت ہی ملک کا قانون ہے۔ اس قانونِ برتر کی ماتحتی سے کوئی شخص، کوئی ادارہ، کوئی پارلیمنٹ، کوئی عدلیہ اور کوئی انتظامیہ مستثنیٰ نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہی ناز برداری کرے جو کبھی بچپن میں وہ اُس کی کر چکے ہیں[1]۔

۳۔ اجتماعی زندگی میں تعاون، ہمدردی اور حق شناسی و حق رسانی کی روح جاری و ساری ہے۔ ہر رشتہ دار اپنے دوسرے رشتہ دار کا مددگار ہو۔ ہر محتاج انسان دوسرے انسانوں سے مدد پانے کا حق دار ہو۔ ایک مسافر جس بستی میں بھی جائے اپنے آپ کو مہمان نواز لوگوں کے درمیان پائے۔ معاشرے میں حق کا تصور اتنا وسیع ہو کہ ہر شخص اُن سب انسانوں کے حقوق اپنے اوپر محسوس کرے جن کے درمیان وہ رہتا ہے۔ ان کی کوئی خدمت کرے تو یہ سمجھے کہ وہ اُن کا حق ادا کر رہا ہے نہ کہ احسان کا بوجھ ان پر لاد رہا ہے۔ اور اگر کسی خدمت کے قابل نہ ہو تو معذرت کرے اور خدا سے فضل مانگے تاکہ وہ دوسروں کے کام آ سکے[2]۔

۴۔ لوگ اپنی دولت کو غلط طریقوں سے ضائع نہ کریں۔ فخر اور ریا اور نمائش کے خرچ، عیاشی اور فسق و فجور کے خرچ، جو انسان کی حقیقی ضروریات اور مفید کاموں میں صرف ہونے کے بجائے دولت کو

---

[1] اس دفعہ کی رُو سے یہ طے کر دیا گیا کہ اسلامی نظامِ معاشرت کی بنا خاندان پر رکھی جائے گی اور خاندانی نظام کا محور والدین کا ادب و احترام ہوگا۔ بعد میں اسی دفعہ کے منشا کے مطابق والدین کے وہ شرعی حقوق متعین کیے گئے جن کی تفصیلات ہم کو حدیث اور فقہ میں ملتی ہیں۔ نیز اسلامی معاشرے کی ذہنی و اخلاقی تربیت میں اور مسلمانوں کے آدابِ تہذیب میں وہ خیالات و اطوار پیوست کر دیے گئے جو خدا اور رسول کے بعد والدین کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان چیزوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ اصول طے کر دیا کہ اسلامی ریاست اپنے قوانین اور انتظامی احکام کے ذریعہ سے خاندان کو کمزور کرنے کے بجائے مضبوط اور محفوظ کرنے کی کوشش کرے گی۔

[2] اس دفعہ کی بنیاد پر مدینۂ طیبہ کے معاشرے میں صدقاتِ واجبہ اور صدقاتِ نافلہ کے احکام دیے گئے۔ وصیت، وراثت اور وقف کے طریقے مقرر کیے گئے۔ یتیموں کے حقوق کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ ہر بستی پر مسافر کا یہ حق قائم کیا گیا کہ کم از کم تین دن تک اس کی ضیافت کی جائے۔ اور پھر اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ سے پوری معاشرے میں فیاضی، ہمدردی اور تعاون کی ایسی روح پھونک دی گئی کہ لوگوں کے اندر قانونی حقوق کے ماسوا اخلاقی حقوق کا ایک وسیع ترین تصور پیدا ہو گیا، اور اُس کی بنا پر لوگ خود بخود ایک دوسرے کے ایسے حق بھی پہچاننے اور ادا کرنے لگے جو کسی قانون کے زور سے نہ مانگے جا سکتے ہیں اور نہ دلوائے جا سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلط راستوں میں بہا دیں، دراصل خدا کی نعمت کا کفران ہیں۔ جو لوگ اس طرح اپنی دولت کو خرچ کرتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کے بھائی ہیں اور ایک صالح معاشرے کا فرض ہے کہ ایسے بے جا صرفِ مال کو اخلاقی تربیت اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ سے روک دے۔

۵۔ لوگوں میں اتنا اعتدال ہونا چاہیے کہ وہ نہ تو بخیل بن کر دولت کی گردش کو روکیں اور نہ فضول خرچ بن کر اپنی معاشی طاقت کو ضائع کریں۔ معاشرے کے افراد میں توازن کی ایک ایسی صحیح حِس پائی جانی چاہیے کہ وہ بجا خرچ سے باز بھی نہ رہیں اور بے جا خرچ کی خرابیوں میں مبتلا بھی نہ ہوں[1]۔

۶۔ خدا نے اپنے رزق کی تقسیم کا جو نظام قائم کیا ہے انسان اپنی مصنوعی تدبیروں سے اُس میں خلل انداز نہ ہو۔ اُس نے اپنے سب بندوں کو رزق میں مساوی نہیں رکھا ہے بلکہ اُن کے درمیان کم و بیش کا فرق رکھا ہے۔ اِس کے اندر بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو وہ خود ہی بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو خدا کے مقرر کیے ہوئے اس طریقہ سے قریب تر ہو۔ فطری نامساوات کو ایک مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا یا نامساوات کو فطرت کی حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا، دونوں یکساں

[1] مدینے کی سوسائٹی میں اِن دونوں دفعات کے منشاء کی ترجمانی مختلف طریقوں سے کی گئی۔ ایک طرف فضول خرچی اور عیاشی کی بہت سی صورتوں کو از روئے قانون حرام کر دیا گیا۔ دوسری طرف بالواسطہ قانونی تدابیر سے بھی بے جا صرفِ مال کی روک تھام کی گئی۔ تیسری طرف حکومت کو یہ اختیارات دیے گئے کہ اِسراف کی نمایاں صورتوں کو وہ اپنے انتظامی احکام کے ذریعہ سے روک دے، اور جو لوگ اپنے مال میں بہت زیادہ ناروا طریقوں سے تصرف کرنے لگیں ان کی جائداد کو عارضی طور پر خود اپنے انتظام میں لے لے۔ ان تدابیر کے علاوہ معاشرے میں ایک ایسی رائے عام بھی پیدا کی گئی جو فضول خرچیوں پر واہ واہ کرنے کے بجائے ملامت کرے، اور اخلاقی تعلیم کے ذریعہ سے افراد کے نفس کی اصلاح بھی کی گئی تاکہ وہ بجا اور بے جا خرچ کے فرق کو خود سمجھیں اور بے جا خرچیوں سے آپ ہی باز رہیں۔ اِسی طرح بخل کو بھی جس حد تک قانون کے ذریعے سے توڑا جا سکتا تھا اس کے لیے قانون سے کام لیا گیا، اور باقی اصلاح کا کام رائے عام کے زور اور اخلاقی تعلیم کی طاقت سے لیا گیا۔ آج یہ اُسی کا اثر ہے کہ مسلمان سوسائٹی میں کنجوسوں اور زر اندوزوں کو جس بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس کی مثال کسی دوسری سوسائٹی میں نہ ملے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلط ہیں ؎ ۔

۷ ۔ نسلوں کی افزائش کو اس ڈر سے روک دینا کہ کھانے والے بڑھ جائیں گے تو معاشی ذرائع تنگ ہو جائیں گے ، ایک بہت بڑی غلطی ہے ۔ جو لوگ اس اندیشے سے آنے والی نسل کو ہلاک کرتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ رزق کا انتظام اُن کے ہاتھ میں ہے ۔ حالانکہ رازق وہ خدا ہے جس نے انسانوں کو زمین میں بسایا ہے ۔ پہلے آنے والوں کے لیے بھی رزق کا سامان اُسی نے کیا تھا اور بعد کے آنے والوں کے لیے بھی وہی سامان کرے گا ۔ جتنی آبادی بڑھتی ہے خدا اُسی نسبت سے مَعاشی ذرائع بھی وسیع کر دیتا ہے ۔ لہٰذا لوگ خدا کے تخلیقی انتظامات میں بے جا دخل اندازی نہ کریں اور کسی قسم کے حالات میں بھی اُن کے اندر " نسل کشی " کا میلان پیدا نہ ہونے پائے ؎ ۔

؎ اس دفعہ میں قانونِ فطرت کے جس اصول کی طرف رہنمائی کی گئی تھی اس کی وجہ سے مدینے کے اصلاحی پروگرام میں یہ تخیّل سرے سے کوئی راہ ہی نہ پا سکا کہ رزق اور وسائلِ رزق میں تفاوُت اور تفاضُل بجائے خود کوئی بے انصافی ہے ، اور انصاف قائم کرنے کے لیے امیری اور غریبی کا فرق مٹانا اور ایک " بے طبقات مُعاشرہ " پیدا کرنے کی کوشش کرنا کسی درجہ میں بھی مطلوب ہے ۔ اِس کے برعکس مدینۂ طیّبہ میں انسانی تمدن کو صالح بنیادوں پہ قائم کرنے کے لیے جو راہِ عمل اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ فطرتُ اللہ نے انسانوں کے درمیان جو فرق رکھے ہیں ان کو اصل فطری حالت پر جُوں کا تُوں برقرار رکھا جائے اور دفعات ۳ ، ۴ ، ۵ کے مطابق سوسائٹی کے اخلاق و اطوار اور قوانین کا اِس طرح اصلاح کر دی جائے کہ مَعاش کا فرق و تفاوُت کسی ظلم و بے انصافی کا موجب بننے کے بجائے اُن بے شمار اخلاقی و روحانی اور تمدنی فوائد کا ذریعہ بن جائے جن کی خاطر ہی دراصل خالقِ کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق و تفاوُت رکھا ہے ۔

؎ یہ دفعہ اُن معاشی بنیادوں کو قطعی طور پہ منہدم کر دیتی ہے جن پہ قدیم زمانے سے لے کر آج تک مختلف ادوار میں ضبطِ ولادت کی تحریک اُٹھتی رہی ہے ۔ قدیم زمانے میں افلاس کا خوف قتلِ اطفال اور اسقاطِ حمل کا محرک ہوا کرتا تھا ۔ اور آج وہ ایک تیسری تدبیر یعنی منعِ حمل کی طرف دنیا کو دھکیل رہا ہے ۔ لیکن معراج کے پیغام کی یہ دفعہ انسان کو ہدایت دیتی ہے کہ وہ کھانے والوں کو گھٹانے کی تخریبی کوشش چھوڑ کر کھانے کے ذرائع بڑھانے کی تعمیری سعی میں اپنی قوتیں اور قابلیتیں صرف کرے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸ ۔ زنا عورت اور مرد کے تعلق کی بالکل ایک غلط صورت ہے ۔ اس کو نہ صرف بند ہونا چاہیے بلکہ معاشرے کے اندر ان اسباب کا بھی سدِباب کیا جانا چاہیے جو انسان کو اس کے قریب لے جاتے ہیں۔[۱]

۹ ۔ انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے قابلِ احترام ٹھیرایا ہے ۔ کوئی شخص نہ اپنی جان لینے کا حق رکھتا ہے نہ کسی دوسرے کی جان ۔ خدا کی مقرر کی ہوئی یہ حرمت صرف اُسی صورت میں ٹوٹ سکتی ہے جب کہ خدا ہی کا مقرر کیا ہوا کوئی حق اس کے خلاف قائم ہو جائے ۔ پھر حق قائم ہو جانے کے بعد بھی خونریزی صرف اُس حد تک ہونی چاہیے جہاں تک حق کا تقاضا ہو ۔ قتل میں اسراف کی تمام صورتیں بند ہو جانی چاہئیں ۔ مثلاً جوشِ انتقام میں مجرم کے علاوہ دوسروں کو قتل کرنا جن کے خلاف حق قائم نہیں ہوا ہے ، یا مجرم کو عذاب دے کر مارنا ، یا مار دینے کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی کرنا ، یا ایسی ہی دوسری انتقامی زیادتیاں جو دنیا میں رائج رہی ہیں۔[۲]

۱۰ ۔ یتیموں کے مفاد کی اُس وقت تک حفاظت ہونی چاہیے جب تک وہ خود اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو جائیں ۔ ان کے مال میں کوئی ایسا تصرف نہ ہونا چاہیے جو خود ان کے مفاد کے لیے

---

[۱] یہ دفعہ آخرکار اسلامی نظامِ زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی ۔ اس کے منشا کے مطابق زنا اور تہمتِ زنا کو فوجداری جرم قرار دیا گیا ، پردے کے احکام جاری کیے گئے ۔ فواحش کی اشاعت پر پابندیاں عائد کی گئیں ۔ شراب اور موسیقی اور رقص اور تصاویر پر بندشیں لگائی گئیں اور ایک ایسا ازدواجی قانون بنا دیا گیا جس سے نکاح نہایت آسان ہو گیا اور زنا کے معاشرتی اسباب کا خاتمہ کر دیا گیا۔

[۲] اس دفعہ کی بنا پر اسلامی قانون میں خودکشی کو حرام کیا گیا ۔ قتلِ عمد کو جرم ٹھیرایا گیا ۔ قتلِ خطا کی مختلف صورتوں کے لیے خوں بہا اور کفارے تجویز کیے گئے ۔ اور قتل بالحق کو صرف پانچ صورتوں میں مقید کر دیا گیا ۔ ایک یہ کہ کوئی شخص قتلِ عمد کا مرتکب ہوا ہو ۔ دوسرے یہ کہ کوئی گروہ دینِ حق کے راستے میں ایسی مزاحمت کرے جس پر اُس کے خلاف جنگ ناگزیر ہو جائے ۔ تیسرے یہ کہ کسی شادی شدہ مرد یا عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہو ۔ چوتھے یہ کہ کسی گروہ نے اسلامی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کی ہو یا اسلامی نظامِ جماعت کے خلاف خروج کیا ہو ۔ پانچویں یہ کہ کسی نے مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کیا ہو ۔ پھر قتل بالحق کا فیصلہ کرنے کے اختیارات بھی صرف قاضی شرع کو دیے گئے ، اور اس کا ایک مہذب ضابطہ بنا دیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہتر نہ ہو۔[۱]

۱۱۔ عہد و پیمان، خواہ افراد ایک دوسرے سے کریں یا ایک قوم دوسری قوم سے کرے، بہرحال ایمانداری سے پورے کیے جائیں۔ معاہدوں کی خلاف ورزی پر خدا کے ہاں باز پرس ہوگی[۲]

۱۲۔ ناپ اور پیمانے اور اوزان ٹھیک رکھے جائیں اور لین دین میں صحیح تول تولی جائے[۳]۔

۱۳۔ تم کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کے صحیح ہونے کا تمہیں علم نہ ہو۔ اپنی سماعت اور بینائی کا اور اپنے دلوں کی نیتوں اور خیالات اور ارادوں کا تمہیں حساب دینا ہے[۴]۔

---

[۱] یہ بھی محض ایک اخلاقی ہدایت نہ تھی، بلکہ یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت کے لیے اسلامی نظامِ حکومت میں قانونی اور انتظامی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں جن کی تفصیلات ہم کو حدیث و فقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ پھر اسی دفعہ سے یہ وسیع اصول اخذ کیا گیا کہ ریاست اپنے اُن تمام شہریوں کے مفاد کی محافظ ہے جو خود اپنے مفاد کی حفاظت کرنے کے قابل نہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اَنَا وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ (جس کا ولی کوئی نہیں اس کا ولی میں ہوں) اسی طرف اشارہ ہے اور یہ اسلامی قانون کے ایک وسیع باب کی بنیاد ہے۔

[۲] یہ بھی صرف اسلامی اخلاقیات ہی کی ایک اہم دفعہ نہ تھی بلکہ آگے چل کر اسلامی حکومت نے اسی کو اپنی داخلی اور خارجی سیاست کا سنگِ بنیاد قرار دیا۔

[۳] اس دفعہ کے مطابق اسلامی حکومت کے محکمۂ احتساب پر منجملہ دوسرے فرائض کے یہ فرض بھی عائد ہوا کہ وہ منڈیوں میں اوزان اور پیمانوں کی نگرانی کرے اور تطفیف کو بزور بند کر دے۔ پھر اسی سے یہ وسیع اصول اخذ کیا گیا کہ تجارت اور لین دین میں ہر قسم کی بے ایمانیوں اور حق تلفیوں کا سدباب کرنا حکومت کا فرض ہے۔

[۴] اس دفعہ کا منشا یہ تھا کہ مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہم و گمان اور قیاس کے بجائے "علم" کی پیروی کریں۔ اس منشا کی ترجمانی اخلاق میں، قانون میں، ملکی نظم و نسق اور سیاست میں، اور نظامِ تعلیم میں مختلف طریقوں سے بہت وسیع پیمانے پر کی گئی۔ اور اُن بے شمار خرابیوں سے اسلامی معاشرے کو بچا لیا گیا جو علم کے بجائے گمان کی پیروی کرنے سے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رونما ہوتی ہیں۔ اخلاق میں ہدایت کی گئی کہ بدگمانی سے بچو اور کسی شخص یا گروہ پر بلا تحقیق کوئی الزام نہ لگاؤ۔ قانون میں یہ مستقل اصول مقرر کیا گیا کہ محض شبہ پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ تفتیشِ جرائم میں یہ قاعدہ طے کر دیا گیا کہ گمان پر کسی کو پکڑنا اور مار پیٹ کرنا (باقی بر صفحہ ۱۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴۔ زمین میں جباروں اور متکبروں کی چال نہ چلو۔ تم نہ اپنی اکڑ سے زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ اپنے غرور میں پہاڑوں سے سربلند ہو سکتے ہو۔[1]

یہی وہ اصول تھے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے پہنچ کر اسلامی سوسائٹی اور اسلامی ریاست کی تعمیر فرمائی۔

حضورؐ کو دعائے ہجرت کی تلقین اسی سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے وہ دعا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی جسے حقیقت میں دعائے ہجرت کہا جا سکتا ہے۔ ترمذی اور حاکم نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا گیا تھا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا (بنی اسرائیل آیت ۸۰)

اور اے نبیؐ، دعا کرو کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) یا حوالات ہی سے دینا قطعی ناجائز ہے۔ غیر قوموں کے ساتھ برتاؤ میں بھی یہ پالیسی معیّن کر دی گئی کہ تحقیق کے بغیر کسی کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے اور نہ شبہات پر افواہیں پھیلائی جائیں۔ نظامِ تعلیم میں بھی اُن تمام نام نہاد "علوم" کو ناپسند کیا گیا جو محض ظن و تخمین اور لا طائل قیاسات پر مبنی ہیں اور مسلمانوں کے اندر ایک حقیقت پسندانہ ذہنیت پیدا کی گئی۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا) یہ بھی محض ایک واعظانہ بات نہ تھی بلکہ درحقیقت اس میں مسلمانوں کو پیشگی تنبیہ کی گئی تھی کہ ایک حکمران گروہ بننے کے بعد وہ غرور و تکبر میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ اسی ہدایت کا فیض تھا کہ جو حکومت اس منشور کے مطابق مدینۂ طیبہ میں قائم کی گئی اس کے فرمانرواؤں، گورنروں اور سپہ سالاروں کی زبان یا قلم سے نکلا ہوا ایک جملہ بھی آج ہمیں ایسا نہیں ملتا جس میں ادائے تکبر کا ادنیٰ شائبہ تک پایا جاتا ہو۔ حتیٰ کہ جنگ میں بھی انہوں نے کبھی فخر و غرور کی کوئی بات زبان سے نہ نکالی۔ ان کی نشست و برخاست، چال ڈھال اور عام برتاؤ ہر چیز میں انکسار و تواضع کی شان پائی جاتی تھی اور جب وہ فاتح کی حیثیت سے کسی شہر میں داخل ہوتے تھے اُس وقت بھی اکڑ اور تبختر سے کبھی اپنا رعب جمانے کی کوشش نہ کرتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دُعا کی تلقین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا وقت اب بالکل قریب آ گیا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ تمہاری دعا یہ ہونی چاہیے کہ صداقت کا دامن کسی حال میں تم سے نہ چھوٹے۔ جہاں سے بھی نکلو صداقت کی خاطر نکلو اور جہاں بھی جاؤ صداقت کے ساتھ جاؤ۔

"اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے"۔ یعنی یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تاکہ اُس کی طاقت سے مَیں دُنیا کے اِس بگاڑ کو درست کر سکوں، فواحش اور مَعاصی کے اِس سیلاب کو روک سکوں اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کر سکوں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جبکہ یہ دُعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو خود سکھائی ہے اور حدیث میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ لَیَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ، یعنی "اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے اُن چیزوں کا سدِباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا"۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مطلوب و مَندوب ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لیے حکومت کا طالب ہو۔ رہا خدا کے دین کے لیے حکومت کا طالب ہونا تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا عین تقاضا ہے۔

مظلوم مسلمانوں کو دعائے نصرت کی تلقین معراج ہی کے موقع پر سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئیں، جیسا کہ ہم اِس سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے نقل کر چکے ہیں۔ اِن آیات کا اختتام اس دُعا پر ہوتا ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا .... فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

"اے ہمارے رب، ہم سے اگر بھول چوک میں کچھ قصور ہو گئے ہوں تو ان پر گرفت نہ کر۔ مالک، ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار، جس بار کو اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر"۔

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ یہ دُعا اُن حالات میں سکھائی گئی تھی جب مکے میں کفر و اسلام کی کشمکش انتہا کو پہنچ چکی تھی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں پر مصائب و مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، اور صرف مکّے ہی میں نہیں، پوری سرزمینِ عرب میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں کسی بندۂ خدا نے دینِ حق کی پیروی اختیار کی ہو اور اس کے لیے خدا کی زمین پر سانس لینا دشوار نہ کر دیا گیا ہو۔ ان حالات میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ اپنے مالک سے اس طرح دعا مانگا کرو۔ ظاہر ہے کہ دینے والا خود ہی جب مانگنے کا ڈھنگ بتائے، تو ملنے کا یقین آپ سے آپ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ دعا اس وقت مسلمانوں کے لیے غیر معمولی تسکینِ قلب کی موجب ہوئی۔ علاوہ بریں اس دعا میں ضمناً مسلمانوں کو یہ بھی تلقین کر دی گئی کہ وہ اپنے جذبات کو کسی نامناسب رُخ پر نہ بہنے دیں بلکہ انہیں اس دعا کے سانچے میں ڈھال لیں۔ ایک طرف اُن روح فرسا مظالم کو دیکھیے جو محض حق پرستی کے جرم میں ان لوگوں پر توڑے جا رہے تھے، اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھیے جس میں دشمنوں کے خلاف کسی تلخی کا شائبہ تک نہیں۔ ایک طرف اُن جسمانی تکلیفوں اور مالی نقصانات کو دیکھیے جن میں یہ لوگ مبتلا تھے، اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھیے جس میں کسی دنیوی مفاد کی طلب کا ادنیٰ شائبہ تک نہیں ہے۔ ایک طرف اُن حق پرستوں کی انتہائی خستہ حالی کو دیکھیے، اور دوسری طرف ان بلند اور پاکیزہ جذبات کو دیکھیے جن سے یہ دعا لبریز ہے۔ اس تقابل ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اہلِ ایمان کو کس طرز کی اخلاقی و روحانی تربیت دی جا رہی تھی۔

(باقی)

ضروری تصحیح

— تفہیم القرآن جلد ششم حاشیہ ایک سطر ۹ کی موجودہ عبارت بدل کر اس طرح لکھی جائے:

"حضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ان کے باپ قیس بن زائدہ اور حضرت خدیجہؓ کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ آپس میں بہن بھائی تھے۔"

— تفہیم القرآن جلد اوّل، صفحہ ۹۰، سطر ۱۵ میں ساگ، ترکاری کے بعد کھیرا، ککڑی کا اضافہ کر لیا جائے۔

— ترجمۂ قرآن مع مختصر حواشی، صفحہ ۳۹، سطر ۱۲ میں بھی ساگ، ترکاری کے بعد کھیرا ککڑی کا اضافہ کر لیا جائے۔

© rasailojaraid.com